سید مظفر حسین برنی کی اقبال شناسی کا تنقیدی مطالعہ

(A Critical Study of Syed Muzaffar Hussain Burni's Iqbal Study)

ڈاکٹر محمد عامر اقبال
Dr. Muhammad Amir Iqbal
Assistant Professor, Department of Urdu
University of Sialkot, Sialkot

ڈاکٹر مشتاق عادل
Dr. Mushtaq Adil
Head of Urdu Department
University of Sialkot, Sialkot

Abstract:
The specialists of Iqbal extended the way for new topics. Mr. Burni also explored a new corner and provided a new topic to the students of Iqbal Studies for research and criticism. Despite his professional responsibilities, he remained practically active for the improvement of Iqbal's thought. He preserved Iqbal's letters in four volumes. The preface of the first volume is an authentic document of Urdu language and literature. He also delivered a lecture which was published in two books under different names with modifications and additions. Iqbal was a supporter of unity among different sects and religions. He had also quoted poems appropriate to the subject. Iqbal also studied Indian thought and philosophy in depth. He was a well-read man with a wide range of boundaries. Restricting Iqbal's thought can lead to misconception. Mr. Burni has given examples of Iqbal's patriotism. This article provides a comparison between the views of Iqbal and Burni. In this regard, this article invites students of Iqbal studies to research, critique and endorse.

Keywords:
Syed Muzaffar Hussain Burni, Iqbal Studies, Urdu Literarture, Iqbal's Philosophy, Iqbal's Patriotism, Iqbal's Letters.

اقبال شناس نئے موضوعات پر لب کشائی کرتے ہیں۔ سید مظفر حسین برنی نے بھی نیا گوشہ تلاش کیا اور تحقیق و تنقید کے لیے اقبالیات کے طلباء کو نیا نکتہ فراہم کیا۔ آپ انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس کے مقابلے کے پہلے ہی امتحان میں کامیاب ہوئے۔ صوبائی اور وفاقی سطح پر اعلیٰ ترین سرکاری عہدوں پر تعینات رہ کر اپنی قابلیت اور صلاحیت کا لوہا منوایا۔ اقبالیات سے آپ کو خاص شغف تھا۔ پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کے باوجود فکرِ اقبال کی تبلیغ، تعبیر اور توسیع کے لیے عملی طور پر متحرک رہے۔ کلیاتِ مکاتیبِ اقبال کی چار جلدوں میں اقبال کے خطوط خاص تاریخی ترتیب سے محفوظ کیے۔ پہلی جلد کا مقدمہ اردو زبان و ادب کی مستند دستاویز ہے۔ آپ نے ایک خطبہ بھی پیش کیا جو رد و بدل اور اضافوں کے ساتھ دو کتابوں کی شکل میں مختلف ناموں سے شائع ہوا۔ موضوعات کے اعتبار سے وہ خطبہ بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا مطالعہ تحقیق و تنقید کے نئے پہلو روشناس کراتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے حب الوطنی کے اسلامی تصور کی تحقیق کا دامن وسیع ہو گا۔ آپ نے بتایا ہے کہ اقبال مختلف فرقوں اور مذاہب میں اتفاق کے حامی تھے۔ آپ نے موضوع کی مناسبت سے نظموں کا حوالہ بھی دیا ہے۔ اقبال نے ہندوستانی فکر و فلسفہ کا بہت گہرا مطالعہ بھی کیا۔ وہ کثیر المطالعہ شخص تھے جس کی حدود بھی بہت وسیع تھیں۔ فکرِ اقبال کو محدود کرنا گمراہی کا باعث بن سکتا ہے۔ برنی صاحب نے اقبال کی حب الوطنی کی مثالیں پیش کی ہیں۔ اس مضمون کا مطالعہ اس موضوع پر تحقیق کی راہیں کشادہ کرتا ہے۔ اس مضمون کے مطالعہ سے برنی صاحب کے نظریات کا فکرِ اقبال سے موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ مضمون اقبالیات کے طلباء کو تحقیق و تنقید اور توثیق کی دعوت دیتا ہے۔ اس مضمون کا مطالعہ تحقیق کے لیے نئے موضوعات فراہم کرتا ہے، فکرِ اقبال کو تاریکی کے سمندر سے نکالتا ہے اور اقبالیات کا دامن وسیع کرتا ہے۔

اقبال کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور پڑھا جا چکا ہے مگر پھر بھی اقبالیات کے ماہرین اور اقبال شناس محققین کسی نہ کسی نئے موضوع کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اقبال کے افکار کا مرکز و محور قرآن اور حدیث ہی تھا۔ اقبال شناس اپنی دل چسپی کے مطابق موضوعات کی تفہیم و تفسیر میں سرگرداں رہتے ہیں۔ سید مظفر حسین برنی نے بھی ایسا گوشہ ڈھونڈ نکالا جو کہ مطالعہ اقبال میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے مطالعہ سے تحقیق و تنقید کے نئے گوشے کھلیں گے اور اقبالیات کے لیے مستند ماخذ کا اضافہ ہو گا۔ سید مظفر حسین برنی کا تعلق "برن" (بلند شہر) کے ایک ذی وقار خانوادے سے تھا۔ آپ نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی تھی اس میں خدمتِ علم و ادب کی ایک طویل اور مسلسل روایت رہی ہے۔ آپ ۱۴، اگست ۱۹۲۳ء کو بلند شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلیمی سلسلہ بہت عمدہ رہا۔ آپ نے بی۔ اے میں انگریزی ادب میں ٹمپل گولڈ میڈل حاصل کیا۔ پھر انگریزی ہی میں ایم۔ اے بھی کیا۔ ۱۹۴۷ء میں انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس "آئی اے ایس" کے مقابلہ کے پہلے امتحان میں کامیاب ہوئے اور ریاست اڑیسہ میں تعینات کئے گئے۔

مرکزی حکومت نے آپ کی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ جوائنٹ سیکرٹری کمیونٹی ڈویلپمنٹ

رہے۔ محکمہ زراعت میں جوائنٹ سیکرٹری رہے۔ ایڈیشنل سیکریٹری وزارتِ پٹرولیم وکیمیکلز کا انتظامی عہدہ سنبھالے رکھا۔ وزارتِ اطلاعات ونشریات کے اہم ترین ادارے میں سیکریٹری رہے۔ بورڈ آف ریونیو میں ریلیف کمشنر رہے۔ چیف سیکرٹری اور ڈویلپمنٹ کمشنر کے اعلیٰ ترین عہدوں پر ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ وزارتِ داخلہ میں سیکرٹری جیسے عہدے پر کام کر کے نیک نامی حاصل کی۔ ناگالینڈ، منی پور، تری پورہ اور ہریانہ کے گورنر رہے۔ مرکزی حکومت کے اقلیتی کمیشن کے چیئرمین رہے۔ پبلک سیکٹر کے تقریباً آٹھ اداروں میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے ذمہ داریاں سرانجام دیں۔ بہت سی بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور تقریباً ۲۴ ممالک کی سیر و سیاحت بھی کی۔ اتنی مصروفیت کے باوجود بہ حیثیت مسلمان آپ کے دل میں فکرِ اقبال کو پروان چڑھانے کا جذبہ کبھی ماند نہ پڑا اور آپ نے اقبال شناسی کا نیا باب رقم کیا۔

ایسے ہنگامے میں جب کہ مذہبی، لسانی اور علاقائی تعصب بڑھتا جارہا تھا اس وقت برنی صاحب نے بھوپال میں ایک خطبہ دے کر وقت کی ضرورت اور تقاضوں کے عین مطابق فکرِ اقبال کا شعور بیدار کیا۔ اس خطبہ میں اقبال کے کلام میں حب الوطنی، قومییک جہتی اور مذہبی رواداری کے پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۴۔ جنوری ۱۹۸۴ء کو بھوپال یونیورسٹی میں پڑھا جانے والا یہ خطبہ برنی صاحب کو بامِ عروج تک لے گیا اور اس طرح ادبی حلقوں میں برنی صاحب کو اقبال شناس کے طور پر پہچانا جانے لگا۔ برنی صاحب کی شہرت بھی ہوئی اور ان پر مسلسل تنقید بھی کی گئی مگر جب تک آپ زندہ رہے آپ دل برداشتہ نہ ہوئے اور اقبال سے اپنی محبت کو کم نہ ہونے دیا بلکہ کسینئی تحقیق میں مگن رہے اور آخر کار ایک اور شاہکار مرتب کیا۔ یعنی اقبال کے خطوط جو فکر و فن، سیاست، اسلامی افکار کی لذت اور دل کشی سے لب ریز ہیں، انھیں زندگی کے گمشدہ گوشوں سے نکال کر چار جلدوں کی صورت میں منظرِ عام پر لائے۔ اس طرح برنی صاحب نے اقبال سے اپنی محبت کا ثبوت بھی دیا اور پھر اقبال کے خطوط کے حوالہ سے نئی سے نئی تحقیق کی دعوت بھی دی۔

بھوپال یونیورسٹی کی طرف سے برنی کو خطبہ کی دعوت ملی تو انھوں نے اسے قبول کر لیا۔ ساتھ ہیآپ نے یہ بھی سوچنا شروع کر دیا تھا کہ کوئی ایسا عنوان منتخب کیا جائے جس میں دوسروں کے لیے اس مضمون پر کہنے کے لیے کچھ ہو۔ آپ کا ذوق اقبال کی شاعری سے ہمیشہ ہیمانوس رہا اور پھر اقبال کا بھوپال سے تعلق بھی رہا ہے۔ بھوپال کے شیش محل میں بیٹھ کر لکھا گیا اقبال کا یہ شعر تحقیقی اور تاریخی مقام پر جا پہنچا۔ اقبال نے پوری نظم "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" لکھی تو بھوپال سے اقبال کی محبت اور قیام اور اسلام سے وابستگی نے اس نظم کو تاریخی بنا دیا۔ اقبال نے کہا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو(۱)

برنی صاحب کییہ بھی خوش قسمتی تھی کہ جب انھیں خطبہ بھوپال کی تیاری کا موقع میسر آیا اس وقت اقبال کی

محفلوں سے فائدہ اٹھانے والے ممنون حسن خاں بھی حیات تھے۔ ممنون حسن خاں کے نام اقبال کے جو خطوط منظرِ عام پر آئے ہیں وہ بھی مشکوک نظروں سے دیکھے جا رہے ہیں اور سننے میں یہ آیا ہے کہ وہ سب ممنون حسن خاں کے لیے نہ تھے بلکہ اقبال نے سر راس مسعود کے لیے لکھے تھے۔ وہ بھی تحریف شدہ ہیں۔

> "ممنون حسن خاں مرحوم کے نام منسوب خطوط بھی تحریف شدہ ہیں۔ جو اصلاً ڈاکٹر راس مسعود کے لیے لکھے گئے ہیں۔ ان خطوط کے اصل متون کی باز آفرینی اور تحقیقی مطالعے نے ایک نئی راہ کی نشاندہی کی ہے"(۲)

خطوط پر تحقیقی و تنقیدی سلسلہ جاری ہے مگر برنی صاحب کے اس خطبہ کا مطالعہ اس لیے اہم ہے کہ سیاسی تبدیلیوں نے اقبال کے فکر و فلسفہ اور ماسلامی تصورات کے سلسلہ میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے ہیں۔ انھیں دور کرنے کی اس خطبہ میں ایک جامع کاوش کی گئیتھی۔

اس خطبہ کا ایک بہت اہم حصہ "اقبال اور پاکستان" ہے۔ برنی صاحب نے اقبال کے چند خطوط کی روشنی میں یہ ثابتکرنے کی کوشش کی تھی کہ اقبال پاکستان کے بانی نہیں تھے۔ بلکہ وہ انڈین فیڈریشن میں مسلم صوبے کی تشکیل چاہتے تھے۔ انھوں نے بار بار اپنے اس نقطۂ نظر کی وضاحت پیش کی ہے۔ برنی صاحب نے پنڈت جواہر لال نہرو کی کتاب "ڈسکوری آف انڈیا" میں اقبال اور جواہر لال نہرو کی ملاقات کے حوالہ سے یہی اخذ کیا ہے۔ برنی صاحب نے اپنے خطبہ میں تاریخی اور تحقیقی دلائل کے ساتھ بیان کیا کہ اقبال مختلف فرقوں اور مذاہب میں اتفاق اور یگانگت، رواداری اور محبت کے زبردست حامی تھے۔ اقبال کو اس بات کا ادراک تھا کہ مذہبی رواداری اور اتفاق کے بغیر ترقی ممکن نہیں۔ اس لیے اقبال نے جنوری ۱۹۳۸ء میں سالِ نو کے پیغام میں کہا تھا کہ انسان اس زمین پر صرف انسان کا احترام کر کے باقی رہ سکتا ہے۔ برنی صاحب نے اقبال کی فکر میں یک جہتی، درد مندی اور مذہبی رواداری کے پہلوؤں کو جس طرح اپنے خطبے میں اجاگر کیا ہے اور جس مدلل انداز میں اسے پیش کیا ہے اس کے لیے وہ یقیناً اقبال شناسی کی ایک نئی جہت پیش کرنے میں کامیاب رہے۔ اس سے تحقیق کی نئی راہوں نے جنم لیا۔

بعض لوگوں نے اس خطبہ میں یہ اخذ بھی کیا کہ اقبال ایک سیکولر شاعر تھے۔ وہ ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کے قیام کے حامی نہ تھے۔ دراصل لوگوں نے برنی صاحب کو سیاستدان ہونے کے علاوہ بلند پایہ عالم اور دانشور بنا کر اپنیمرضی کی رائے قائم کرنا شروع کر دی تھی۔ برنی صاحب شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق ضرور رکھتے تھے اور اقبالیات پر ان کی گہری نظر تھی مگر انھوں نے اس خطبہ بھوپال میں چند مخصوص کیفیت کے اوقات کو اقبال کی فکر سے منسوب کر دیا۔ برنی صاحب نے اقبال کے فلسفۂ خودی کی نئی تعبیر بھی پیش کی۔ ان کے خیال میں اس وقت یہ نظریہ اُس عہد پر چھائے ہوئے حالات کا نتیجہ تھا جس کے اخلاقی اور معاشی نظام اور سیاست میں اقبال نے آنکھ کھولی تھی۔ ایک غلام قوم کے لیے خود

اعتمادی، خود شناسی اور تعمیرِ خودی کے سوا اور کوئی مناسب پیغام ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ لوگوں نے اقبال کے فلسفۂ خودی کو ایک نہایت حساس شاعر کی طرف سے اپنے ملک کی سیاسی غلامی کا ردِ عمل سمجھا ہے جبکہ ہمارے نزدیک یہ ردِ عمل نہیں بلکہ اپنی پہچان کا وہ نکتہ ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اپنے نفس پر ضبط کے قابل ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے اپنا نائب بنا کر نیابت عطا کر دیتا ہے۔ حدیثِ قدسی جس کا مفہوم ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا تو بے شک اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، ہی اقبال کے فلسفۂ خودی کی بنیاد ہے۔ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ برنی صاحب نے اقبال کی شاعری اور فکر کے مطالعہ کا ایک نیا زاویہ تجویز کیا جو اہمیت کا حامل ضرور تھا۔ برنی صاحب نے اپنے رخشِ قلم سے اقبالیات میں نئے موضوع کا اضافہ ضرور کیا تھا مگر ان کی رائے سے سب کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ برنی صاحب کا خطبہ بھوپال تو ان کی تائید کے لیے پیش کیا جا سکتا ہے۔ آپ دردِ دل رکھنے والے انسان ہیں۔ وہ ہندوستان کو شکست دریخت سے بچانا چاہتے تھے اور ان کے خطبہ بھوپال کی غرض و غایت بھی یہی تھی۔ آپ کے خطبہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی فکر کو اقبال کی سب سے بڑی دین ان کا نظریہ خودی ہے۔ مگر یہاں آپ نے خود اعتمادی اور خود انحصاری پر روشنی ڈالی ہے۔ اگر صرف ان معنوں میں ہی خودی کو استعمال کیا جائے تو بھی یہ اتنا ہی لازم ہے جتنا کہ اقبال کی زندگی کے دور اور حالات میں اہم تھا۔ آپ نے اپنے خطبہ بھوپال کو کتابی صورت میں "اقبال اور قومی یک جہتی" کے نام سے شائع بھی کروایا اور اس کتاب کو آنجہانی اندرا گاندھی مرحومہ سے معنون کیا۔ دراصل آپ کا خیال تھا کہ آنجہانی اندرا گاندھی نے قومی یک جہتی اور ملکی سالمیت کے لیے اپنی جانِ عزیز تک قربان کر دی۔ اس دور میں جب آپ کی یہ کتاب شائع ہوئی جو خطبہ بھوپال پر مبنی تھی، واقعی اقبالیات میں ایک بیش بہا اضافہ اور موضوعِ تحقیق بن کر سامنے آئی۔ ہندوستان میں چونکہ اس وقت اور شاید آج بھی قومی یک جہتی کی اشد ضرورت ہے تو فکرِ اقبال سے قومی یک جہتی کو اخذ کر کے ہندوستانی قوم کے لیے اتحاد اور بھائی چارے کا ماحول قائم کیا جا سکتا ہے اور اس کے لیے قابلِ عمل راحوں کی تلاش کے لیے اسلام، قرآن اور حدیث کا دامن تھامنا ہو گا اور فکرِ اقبال ان پہلوؤں سے مزیّن ہے۔ آج کے ہندوستان میں موجود ہندو مسلم عوام کو فکرِ اقبال سے ایسے عوامل ضرور ڈھونڈنے چاہیں جو آج ہم سب کے لیے مفید ہوں۔

تاریخی واقعات کو ان کے صحیح پس منظر میں نہ جاننے کی وجہ سے بہت سی کج فہمیاں انسانوں کے دلوں میں دوری پیدا کر دیتی ہیں۔ کم از کم آج کے ہندوستان میں درسی کتب کے ذریعے فکرِ اقبال سے اخوت، بھائی چارہ اور ملی یک جہتی کو ضرور پروان چڑھانا چاہیے۔ بظاہر تو اس بات سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کہ لوگ درج بالا باتوں پر عمل کریں مگر ایسا نہ کرنے سے دلوں میں رفتہ رفتہ دوری ضرور پیدا ہوتی ہے اور اس کے بھیانک نتائج ہی سامنے آتے ہیں۔ اس لحاظ سے برنی صاحب کا خطبہ بھوپال نوجوان نسل کے لیے مشعلِ راہ کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا مگر اس پر تنقیدی حلقوں نے اس کی اہمیت کم سے کم تر کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

آپ نے خطبہ بھوپال خصوصی لگن اور محنت سے تیار کیا اور اس میں ہر ممکنہ ثبوت، دلائل اور حوالہ جات سے کام لیا۔ آپ نے چند ذیلی عنوانات متعین کیے، اپنے خاص موضوع کو وسعت دی اور بہت ہی سلیقہ سے خطبہ پیش کیا۔ آپ نے اقبال کے فلسفہ اور فکر کو ان کے اعمال و کردار کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو دیانت دار ماہرینِ اقبالیات اور اقبال شناسوں کی صف میں شمار کیا جاتا ہے۔ اقبال کے سلسلہ میں ان کا خطبہ بھوپال اس بات کا ثبوت بھی ہے۔ اہم ترین سرکاری ذمہ داریاں ادا کرنے کی وجہ سے شاید انھیں زیادہ وقت نہ مل سکا کہ وہ اقبالیات کے لیے کچھ زیادہ تحقیقی کام کرتے۔ ایسی مصروف زندگی سے تحقیق و جستجو کا وقت نکال کر فکرِ اقبال پروان چڑھانا واقعی قابلِ قدر ہے۔

آپ نے اقبال کی شخصیت اور شاعری کے ایسے پوشیدہ گوشے بے نقاب کیے ہیں جن پر غور کرنے سے اقبال کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے مگر آپ کی سب ہی باتیں فکرِ اقبال سے مماثلت نہیں رکھتیں۔ انھوں نے اس خطبہ بھوپال سے یہ اخذ کیا ہے کہ اقبال ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے یا اقبال صرف ہندوستانیوں کے فکر و فلسفہ سے متاثر تھے۔ ہندوستان کے لوگوں نے یہ سمجھنے میں بھی غلطی کی کہ اقبال نے دوسرے مذاہب کی بھی تبلیغ کی ہے۔ دوسروں کے مذہب کے لیے نرم گوشہ رکھنا ایک علیحدہ چیز ہے۔ اس پہلو کو اقبال کے افکار سے اس طرح منسوب کرنا کہ یہ شبہ ہو جائے کہ اقبال اسلام سے زیادہ کسی دوسرے مذہب کو اہمیت دیتے تھے قطعاً غلط ہے۔ آپ کے خطبہ بھوپال سے چند لوگوں نے ایسی باتیں ہی اخذ کر لی تھیں۔ ایسے ہی اذہان نے اقبال پر سوشلسٹ ہونے کا من گھڑت دعویٰ بھی کیا تھا۔ اقبال اس وقت بھی اور ان کے افکار آج بھی ملیبک جہتی کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں جس کا تصور اسلام، قرآن اور حدیث سے ملتا ہے۔ علامہ اقبال کی شہرت کا باعث نظم ابتدائی نظم "نالۂ یتیم" تھی مگر بانگِ درا کی اشاعت میں یہ شامل تک نہیں۔ برنی صاحب نے اپنے خطبے میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا تھا کہ:

> "یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اقبال کی اردو نظموں کا پہلا مجموعۂ کلام بانگِ درا، ۱۹۲۴ء ہمالیہ پر ان کی نظم سے شروع ہوتا ہے اور یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اقبال کو ہندوستان گیر شہرت اس وقت سے حاصل ہوئی جب انھوں نے ۱۸۹۹ء میں انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں اپنی نظم نالۂ یتیم پڑھ کر پورے مجمع کو بے حال کر دیا تھا، مگر ان کا پہلا اردو دیوان اس نظم سے شروع نہیں ہوتا بلکہ فی الواقع انھوں نے اس نظم کو اپنے کسی مجموعہ میں شائع ہی نہیں کیا" (۳)

برنی صاحب نے اقبال کی حب الوطنی کو اہمیت دیتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نظم "ہمالہ" ان کے نزدیک زیادہ اہم تھی۔ برنی صاحب نے اقبال کی نظم "ترانہ ہندی" کا ذکر بھی اپنے خطبے میں حب الوطنی کے تناظر میں

کیا اور مہاتما گاندھی کے اس خط کا حوالہ بھی دیا جو انھوں نے رسالہ، جوہر۔ دہلی کے خصوصی اقبال نمبر کے ایڈیٹر کے نام لکھا تھا اور اس میں اقبال کی نظم "ترانہ ہندی" کی تعریف کی تھی۔ موضوع کی مناسبت سے برنی صاحب نے صدائے درد، سید کی لوحِ ترتبت پر اور تصویرِ درد جیسی عالی شان نظموں کے حوالے دیے۔ ان کا مقصد جذبۂ حبِ وطن، قومی تعمیر وترقی، قومی اتحاد، باہمی محبت اور عالمی اخوت کا پیغام عام کرنا تھا۔ آپ نے فرقہ وارانہ نا اتفاقی پر اقبال کے غم واندوہ پر روشنی ڈالی، اقبال کے نظریہ قوم پرستی سے بیزاری کو موضوع بنایا اور اقبال کے اسلامی وطنیت پر گفتگو کی۔ برنی صاحب کا نظریہ تھا کہ:

> "اقبال ایک ایسے بین الاقوامی نظام کے متلاشی ہوئے جو بلند اور شریفانہ اقدار پر مبنی ہو۔ انھوں نے سوچا کہ اس نئے سماجی نظام کے لیے اسلام ایک خاکہ پیش کرتا ہے۔ مگر حالات اب یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اُمید بھی پُر فریب تھی۔"(۴)

برنی صاحب کے نزدیک سب سے بہتر نظام حب الوطنی میں ہی پوشیدہ ہے۔ دراصل لوگ اسی حب الوطنی کو اسلام کے رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ مذہب سے رشتہ بھی رہے اور وطن پرستی کو دامن سے لگا کر اپنے سیاسی اور کاروباری مقاصد کی تکمیل بھی جاری رکھیں۔ برنی صاحب نے وطن پرستی اور قوم پرستی میں فرق واضح کرنے کی کوشش کی اور بین الاقوامی وطنیت کے حق میں دلائل دیتے ہوئے اقبال کی بہت سی نظموں کے اشعار بہ طور مثال پیش کیے۔ اہلِ نظر کے تازہ بستیاں آباد کرنے کی مثال پیش کی، درویش خدامست کے شرقی اور غربی نہ ہونے کی بات کی اور اقبال کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ میرا گھر نہ دلّی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند۔ برنی صاحب نے اپنے دلائل اقبال کے اشعار سے مزیّن کیے اور انھیں سندی مقام تک پہنچایا۔ اقبال کے آخری دور سے جذبۂ حب الوطنی سے سرشار اشعار کا انتخاب برنی صاحب کی اقبال شناسی میں تحقیق وتصدیق کا پہلو اجاگر کرتا ہے۔ وطن کے غداروں کا جو حلیہ اقبال نے کیا ہے وہ سبق آموز ہی نہیں عبرت ناک بھی ہے۔ جعفر خواہ کسی بھی جون میں ہو، ملت کو ہلاک کرنے والا ہے۔ اقبال کے نزدیک یہ پرانا ملت کش مسلمان ہے۔ یہ کسی کا دوست نہیں، سانپ اگر ہنس بھی رہا ہو تو بھی آخر سانپ ہے۔ لوگوں کے نفاق سے قوموں کی وحدت ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کا وجود قوموں کو بد بختی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ کسی قوم میں کہیں بھی کوئی غدار ہے، اس کا شجرہ جعفر و صادق ہی سے جا ملتا ہے۔ جعفر کی روح سے اقبال نے خدا کی پناہ طلب کی ہے اور اس زمانے کے جعفروں سے بھی امن الاماں۔ برنی صاحب نے اقبال کی حب الوطنی کے دلائل دیتے ہوئے عمدہ ماخذوں کا استعمال کیا۔ کہتے ہیں:

> "اقبال کا ایمان تھا کہ اپنے وطن سے غداری سب سے زیادہ گھناؤنا جرم ہے جو کسی سے سرزد ہو سکتا ہے 'جاوید نامہ' میں وہ مریخ سیارہ میں دوزخ کے سب سے نچلے اور بدترین حصہ (اسفل السافلین) کا ذکر کرتے ہیں جو ان لوگوں کے لیے مخصوص ہے جو اپنے وطن کے

غدار رہے ہیں۔ اس کرہ پر ہندوستان کی روح ظاہر ہوتی ہے اور ہندوستان کی عہدِ جدید کی تاریخ کے دو غداروں یعنی بنگال کے میر جعفر اور دکن کے میر صادق پر لعنت بھیجتی ہے۔ اول الذکر نے سراج الدولہ سے غداری کر کے لارڈ کلایو کا ساتھ دیا اور دوسرے نے ٹیپو سلطان کے ساتھ نمک حرامی کی۔ اقبال کہتے ہیں کہ بنگال کا میر جعفر اور دکن کا میر صادق دونوں نہ صرف انسانیت کے لیے بلکہ ملک اور مذہب کے لیے بھی باعثِ ننگ ہیں۔"(۵)

برنی صاحب نے اقبال کی حب الوطنی اور ہندوستان سے محبت کا جذبہ اجاگر کرنے کے لیے عمدہ ماخذ کا انتخاب کیا ہے۔ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اقبال کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں ہندوستان کے معاملات سے غافل نہیں رہے۔ وطن سے محبت اور وفاداری اقبال کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی اور کلام میں اس کے اشارے بھی نمایاں طور پر دیکھے، سنے اور سمجھے جاسکتے ہیں۔ آپ نے مثال کے لیے جن نظموں کا انتخاب کیا، ان میں وطن کی محبت کے لیے اقبال کے دل کی دھڑکن صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔ مگر اقبال کسی بھی طرح اسلام سے ہٹ کر کسی چیز کی چاہت نہ کرتے تھے۔ آپ کے خطبۂ بھوپال پر مثبت انداز میں سوچا جائے تو ہم محسوس کریں گے کہ یہ تعمیری نقطۂ نظر کا حامل تھا اسے سامنے رکھ کر ہم تاریخ، ادب اور دیگر علوم کا مطالعہ کریں تو ملک میں قومی یک جہتی کے عناصر کو اس وقت بھی فروغ دیا جاسکتا تھا اور آج بھی اس اتحاد و یگانگت کی ضرورت ہے جو فکرِ اقبال کے پوشیدہ گوشوں میں محفوظ پڑی ہے۔

ان نگارشات پر غور کرنے سے آپ کی عرق ریزی اور جگر کاوی پر بھی روشنی ڈالی جاسکتی ہے اور ان تعمیری عناصر کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جن کی ضرورت بار بار مختلف ادبی و ثقافتی حلقوں میں واضح کی جاتی رہی ہے۔ آپ کے خیالات اقبال کی شاعری اور فکر کے مطالعہ میں نہ صرف تحقیقی اضافہ ہے بلکہ آپ کے اپنے گہرے فکری عمل کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ اگر آپ کے اس لیکچر کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بھی واضح ہو گی کہ آپ نے اقبال کی شاعری کا نیا پہلو بھی اُجاگر کیا ہے۔ آپ نے اقبال کی شاعری میں ان چند نکات کو بھی اجاگر کیا ہے جو شاعری کی گہری تہوں میں پوشیدہ ہیں۔ اگرچہ ان میں کہیں کہیں آپ کی ذاتی سوچ اور خیال کو دخل ہے مگر پھر بھی تحقیق کی دنیا میں نئے دروازے کھلیں گے۔ اب تک ان پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی جس سے اقبال کی حب الوطنی کے پہلو پر گرد پڑ گئی اور عوام نے حب الوطنی کو خود ساختہ معنی کا لبادہ پہنا کر اسلام سے متصادم کر دیا اور نئے ازمز کی شناخت کا باعث بنا دیا۔

ادبی حلقوں میں برنی صاحب کے اس لیکچر کے کچھ منفی پہلو بھی محسوس کیے گئے۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کو فکرِ اقبال کے اس نکتہ سے بے خبر رکھتے ہوئے صرف ہندوستان سے یک جہتی کا اظہار کیا ہے اور اس کے لیے اپنے رتبے اور اعلیٰ افسری کی دھونس دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے لوگ آپ کے خطبہ کو دل چسپی سے پڑھنے

لگے۔ مگر اس سے ایک خاص سوچ رکھنے والے طبقے نے حقائق کو مسخ کرنے اور فکرِ اقبال کو سبوتاژ کرنے کا کام لینا شروع کر دیا۔ اقبال کو شاعرِ مشرق کہا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس وقت جب مغربی سامراج کا تسلط اپنے عروج پر تھا اور سارا مشرق نو آبادیاتی نظام کے سیلاب میں غوطے کھا رہا تھا، اقبال نے اپنے فکر و فلسفہ کے اجدان سے تربیت اور بیداری کا بیڑا اٹھایا۔ اقبال جس حب الوطنی کے قائل تھے اس میں وطن پرستی کا عنصر نہیں پایا جاتا۔ اس لیے حب الوطنی کے پہلو پر نظر ڈالتے ہوئے ہمیں وطن پرستی کی حدوں سے گریز کرنا چاہیے ورنہ حب الوطنی کا جذبہ انتہائی خاموشی سے بت پرستی کے سمندر میں دھکیل دیتا ہے اور سادہ لوح حب الوطنوں کو خبر تک بھی نہیں ہوتی۔ اقبال نے فطرت کے مناظر اپنی شاعری میں بہت خوبصورت انداز سے بیان کیے مگر اس ڈر سے کہ یہ فطرت کی شاعری کہیں بت نہ بن جائے تو اقبال نے اس کی حدود کا تعین کرتے ہوئے مخصوص انداز اختیار کیا۔ اسی طرح حب الوطنی کو بھی اقبال نے وطن پرستی کی حدوں سے بچا کر عوام الناس کو بت پرستی سے بچا لیا۔ اپنی ڈائری میں اقبال نے لکھا:

> "حب الوطنی بت پرستی کی ایک لطیف صورت کے سوا اور کیا ہے۔ ایک مادّی شے کو معبود کا درجہ عطا کیا گیا ہے اور میرے اس خیال کی تصدیق و توثیق مختلف قوموں کے وطن پرستانہ ترانے کریں گے۔ اسلام بت پرستی کی کسی شکل کو بھی برداشت نہیں کر سکا۔ یہ ہمارا ازلی و ابدی نصب العین ہے کہ ہم بت پرستی کی تمام صورتوں کے خلاف احتجاج کریں۔ اسلام نے جس چیز کا قلع قمع کیا۔ اس کو، اس کی اس عمارت کی بنیاد نہیں قرار دیا جا سکتا، جس کی حیثیت ایک ہئیت سیاسیہ کی ہے۔ یہ حقیقت کہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کا عروج اور وصال ایسے مقام پر ہوا جو ان کی جائے پیدائش نہ تھا۔ شاید اس حقیقت کی طرف ایک پُر اسرار اشارہ ہے" (۶)

اقبال کی حب الوطنی کے پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمیں درج بالا سطور نظر انداز نہیں کرنی چاہیں جو فکرِ اقبال کی روح ہیں۔ کیونکہ بیاضِ اقبال میں موجود اقبال کے افکار فکر، فن اور فلسفہ کے اعتبار سے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ برنی صاحب نے بہت غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ اقبال کے فکر و فن کے اُسی پہلو کا جائزہ کیا جائے جو وقت کا تقاضا ہے۔ آپ نے اقبال کی شخصیت پر ہندوستانی فکر و فلسفہ کے اثر پر بھی روشنی ڈالی۔ بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ کہیں ویدوں کے اشلوک کی مثال، کہیں اپنشدوں کے اثر کی مثال اور بدھ مت کی مثال دیتے ہوئے اقبال کے نظریات کچھ اس طرح قلم بند کیے ہیں کہ:

> "علامہ اقبال نے گوتم بدھ کو پیغمبروں میں شمار کرتے ہوئے تمام مذاہب کی برگزیدہ شخصیتوں کی تعظیم کا ثبوت دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ گوتم بدھ کی رہبانیت انسانی بنیادوں پر

قائم ہے۔ اس سے انسانوں کی غم خواری کا سبق ملتا ہے۔"(۷)

برنی صاحب نے بھگوت گیتا کے فلسفۂ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ اقبال اس سے بھی بہت متاثر تھے۔ مثال کے طور پر اقبال کے اشعار پیش کرتے ہوئے اپنی بات کی تصدیق بھی پیش کی۔ آپ نے اس بات پر بھی روشنی ڈالی کہ اقبال گیتا کا ترجمہ کرنا چاہتے تھے۔ وشوامتر جسے اقبال نے جاوید نامہ میں جہاں دوست کے لقب سے نوازا تھا برنی صاحب نے مثالیں دے کر یہاں بھی اقبال کی شخصیت پر ہندوستانی فکر و فلسفہ کا اثر ثابت کیا ہے۔ اقبال کی شاعری میں بھرتری ہری کا ذکر ہو، ہندوستانی اوتاروں اور سنتوں کا احترام ہو، ہندوستان کی غلامی پر رنج و کرب کا اظہار ہو، سودیشی تحریک کی حمایت ہو، کسی ہندوستانی راہنما کے اوصاف پر نظم ہو، برنی صاحب نے اقبال کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کے دل میں ہندوستان کی اہمیت اور ہندوستان سے محبت کس قدر زیادہ تھی۔ برنی صاحب بہت اعتماد اور یقین اور ایمان سے یہ کہتے تھے کہ:

"اقبال ہندوستانی فلسفے، دیومالا اور مذہبی عقائد سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان کی رزمیہ شاعری کے بھی بڑے مداح تھے۔"(۸)

آپ کا اقبال کے اس پہلو کو اجاگر کرنا دراصل اس کا منصفانہ تنقیدی جائزہ ہے۔ ہندوستانی فکر و فلسفہ کا مطالعہ ادبیات اور بصیرت میں اقبال کا معجزہ ہے اور مفکرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اقبال جب شکوہِ ترکمانی کی بات کرتے ہیں اور ساتھ ہی ذہنِ ہندی اور نطقِ اعرابی کا فلسفہ بھی بیان کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتے تو خیال رہے یہ محض شعری اوزان ہی نہیں بلکہ بات اس سے بھی آگے بڑھ کر فکر و فلسفہ کے معراج تک جا پہنچتی ہے۔ ہندی ذہن کی قابلیت کا ایسا اعتراف اقبال ہی کا فیضان ہے۔ اگر فکرِ اقبال کے اس پہلو کو نظر انداز کر دیں تو فہمِ اقبال کی گتھی سلجھنے کے بجائے الجھتی جائے گی اور عوام گمراہ ہو جائے گی۔ پروفیسر عبدالحق نے اقبال اور قدیم ہندوستانی فکر و فلسفہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"فکرِ اقبال کی مصادر کی بازیابی میں ہند و حجاز اور یورپ کے نقطہ ہائے فکر مثلث کے تینوں زاویوں کی طرح ہیں۔ انھیں کی مدد سے ان کے فکر و شعر کا مدار یا محور تشکیل پاتا ہے۔ کسی ایک پہلو سے گریز گمراہی کا سبب بن سکتا ہے۔"(۹)

ہندوستانی فکر بہت وسعت رکھتی ہے۔ اس کے معتبر ترین مصادر گوتم بدھ، شنکر اچاریہ اور بھرتری ہری ہیں اور فکرِ اقبال میں ان کا تذکرہ کئی جگہ ملتا ہے۔ مغرب اور مشرق کے فکری اسلوب سے اقبال کو واقفیت تھی اور وہ ہندی فلسفے سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے۔ اس بات کی تصدیق اقبال کے شعری اور نثری کلام میں کئی جگہ ملتی ہے۔ فلسفہ حرکت و عمل میں اگرچہ شنکر اچاریہ، بھرتری ہری اور کانٹ کا ذکر فکرِ اقبال میں کئی جگہ نظر آتا ہے مگر اس پہلو پر بھی اقبال کا

اسلامی فکری رویہ سامنے ضرور آتا ہے۔ اقبال نے دیگر مفکرین سے استفادہ ضرور کیا ہے مگر ہمیں اقبال کے فکری نتائج کو محدود نہیں کرنا چاہیے۔ دیگر فکر و فلسفہ کا ماخذ ضرور ہیں مگر نتائج کے لیے اقبال نے اسلام کو ہی معیار قائم کیا ہے۔ بھرتری ہری کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اقبال کے نظریات کا ان کے افکار کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے برنی صاحب نے کہا کہ:

"دوسرے پیروؤں کے بر خلاف وہ حقیقت کو دلیل سے پانے کے قائل نہ تھا۔ رف محبت سے ہو سکتا ہے۔ یہی بات اقبال کے اندازِ فکر سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔"(۱۰)

بھرتری ہری کے تمام ہی فکری پہلو اقبال سے مطابقت نہیں رکھتے۔ برنی صاحب نے مثبت پہلو اخذ کیے ہیں مگر یہ بھی ذہن میں رہے کہ عورت کا حسن، وقار اور عورت کی دل کشی اس پر بے طرح حاوی تھی۔ اپنی نظموں میں بھرتری ہری نے عورت کے جسمانی خدوخال کا بے دریغ ذکر کیا ہے۔ اس کے باوجود خود شناسی، عرفانِ ذات، عملِ پیہم اور محبت فاتح عالم جیسی اصطلاحات کا سراغ بھرتری ہری کے یہاں ملتا ہے۔ جاوید نامہ میں اپنے مرشدِ معنوی مولانا جلال الدین رومی کے ہمراہ آسمان کی وسعتوں میں بھرتری ہری سے ملاقات اقبال کے فکر و فلسفہ کے ساتھ ان کے کثرتِ مطالعہ کی دلیل ہے۔ آپ کے چند اشعار کا خلاصہ اقبال نے ایک ہی شعر میں پیش کیا ہے اور وہ شعر بھی آپ ہی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ بالِ جبریل کے سرنامے کی زینت بناتے ہوئے اقبال نے لکھا:

؎ پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے — مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر
ہیرے کا جگر — (بھرتری ہری)(۱۱)

پروفیسر عبدالستّار دولوی نے اقبال کے فکر فن کی توصیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"بالِ جبریل کے سرنامہ پر علامہ اقبال نے بھرتری ہری کے حوالہ سے جو شعر پیش کیا ہے وہ تنہا بھرتری ہری کی کم از کم دو نظموں کا اختصار اور نچوڑ ہے۔ بھرتری ہری نے کم از کم آٹھ مصرعوں میں جس بات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ کہا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی نکتہ کو صرف دو مصرعوں میں انتہائی شاعرانہ اور عالمانہ انداز میں کہہ دیا ہے اور ادب میں یہ ان کی اپنی "پیغمبرانہ شان" تھی کہ ان کا پیش کردہ خیال کسی بھی طرح بھرتری ہری کا عکس نہیں معلوم ہوتا ہے اور اسے ہم علامہ کی ادبی دیانتداری کہیں گے کہ انھوں نے اپنے اس شعر کے ساتھ بلا پس و پیش بھرتری ہری کا حوالہ دے دیا ہے۔"(۱۲)

اقبال کی شعرانہ عظمت کا اقرار اس بات کی دلیل ہے کہ فکرِ اقبال کی حدود و قیود کسی ایک مسلک، علاقہ یا قوم کے لیے محدود نہیں ہے۔ اس لیے کسی ایک حد میں رکھ کر فکرِ اقبال کو اسی کا مبلغ و مبصر سمجھ بیٹھنا مناسب نہیں۔ یہ بات قارئین کے لیے گمراہی کا سبب بنتی ہے اور مفکر کی سوچ کے محدود علم و دانش کی تنگ دامنی کی دلیل ثابت ہوتی ہے۔ اقبال

کے فکر و فن میں ایسی کوئی بات نہیں جو صرف قومیت، وطنیت یا پھر فطرت ہی کے حصار میں محدود ہونے کی دلیل ہو۔ یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے کہ برنی صاحب نے پوری غیر جانب داری اور تعصب سے بالاتر ہو کر موضوع کا جائزہ تو لیا مگر نتائج اخذ کرنے میں جلد بازی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ کے بیان کردہ افکار کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور قبولِ عام بھی ملا۔ اس بات کی شہادت یہ ہے کہ ان خیالات کو ہندوستان کی دوسری علاقائی زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا۔ برنی صاحب کی کاوشوں سے یہ فائدہ ضرور ہو گا کہ دیگر زبانوں میں بھی فکرِ اقبال کی روشنی سے منور ہونے والے کئی راستے کھلیں گے اور وہاں بھی اقبال فہمی، اقبال شناسی اور اقبالیات کی روایت پروان چڑھے گی۔ اس میں صرف یہ نہ سوچا جائے کہ لکھنے والے نے فکرِ اقبال کے بارے میں کیا لکھ دیا اور کیسے لکھ دیا، بلکہ یہ سوچا جائے کہ فکرِ اقبال کا دامن وسیع ہو گا، نئے افکار اور نظریات سامنے آئیں گے اور تحقیق و تنقید کے نئے پہلو اُجاگر ہوں گے۔ دنیا میں ہر خطے کے انسانوں تک اقبال کا پیغام پہنچے گا اور اقبالیات کے نئے پہلو سامنے آتے رہیں گے۔ آپ کی اقبال شناسی کا دامن وسیع تھا۔ ایک طویل زمانہ بیت جانے کے باوجود اقبال کی مقبولیت اور فکر و فن میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ اقبال شناس اس میں نئے پہلو تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اقبال کا پیغامِ بیداری ہر دور اور ہر قوم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ اقبال کا فکر و فن اور اسلوب محققین اور مدبرین کے لیے نئے افق کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کے دل نشیں سرچشمے اقبال شناسی کے لیے بہت ہی معنی خیز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال شناس نئی راہوں کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ مظفر حسین برنی نے اس روایت کو آگے بڑھایا اور اقبالیات کے مختلف موضوعات پر مضامین قلم بند کیے۔ آپ کے لکھے ہوئے مضامین اخبارات کی زینت بنے جن میں دو تو نمایاں طور پر منظرِ عام پر آئے ہیں۔ ان میں سے ایک مضمون کا ذکر مختار مسعود نے اقبال نامہ یک جلدی میں کیا ہے۔ آپ نے بات تو کوئی اور واضح کی ہے مگر مضمون کا ذکر یوں کیا ہے:

> "سید مظفر حسین برنی۔ انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس۔ نے رسالہ شاعر بمبئی کے اقبال نمبر جنوری۔ جون ۱۹۸۸ میں ایک مضمون اقبال کے پانچ غیر مطبوعہ خطوط کے عنوان سے لکھا ہے۔" (۱۳)

یہ تحقیق آپ کی اقبال فہمی کے لیے اہم دلیل فراہم کرتی ہے کہ آپ کی اقبال شناسی تحقیق و تنقید کی راہوں سے گزر کر پروان چڑھی۔ جہاں تک برنی صاحب کی اقبال شناسی کا تعلق ہے تو ایسا بھی محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے بھارت کے سرکاری نقطۂ نظر کی ترجمانی کی ہے۔ آپ کے نظریات سے کچھ ایسا تاثر لیا گیا جیسے ہندوستان کے مسلمان مجبور ہیں کہ اپنی بقا کے لیے اور روزگار کے لیے سیاسی جماعتوں کی، نیتاؤں کی اور ہندوؤں کی خوشامد کریں۔ اقبال شناس ہونے کے باوجود آپ نے اقبال کے بارے میں غیر مصدقہ معلومات سے کام لیا ہے۔ فکرِ اقبال سے آگاہی رکھنے والوں کے نزدیک یہ بات علم و تحقیق کے مروجہ اور معروف اصولوں کی نفی کرتی ہے۔ آپ کا خطبہ جو کتابی شکل میں منظرِ عام پر آیا تو ماہرین نے

اس کا مطالعہ بھی کیا۔ کچھ نے تبصرہ بھی کیا۔ ڈاکٹر وحید عشرت نے سیر حاصل تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"اس کتاب میں اقبال کے بارے میں فکری تناظر کو ایک طرف رکھ کر چند جزوی باتوں، فقروں اور اقتباسات سے اپنی من مرضی کے مضمون کا استخراج کیا گیا ہے۔"(۱۴)

ہندوستان سے تعلق رکھنے والے ماہرینِ علم و ادب اور خاص طور پر معتبر اقبال شناس برنی صاحب کی باتوں سے نالاں ہوئے اور اعتراضات کرتے ہوئے بہت سے پہلو منظرِ عام پر لائے۔ ماہرین کے بیان کردہ نکات میں تحقیق بھی ہے اور تصدیق بھی۔ پروفیسر عبدالحق نے راقم الحروف کے نام یکم فروری ۲۰۰۸ء کو ایک خط لکھا۔ مکتوب میں برنی صاحب اور ان کی کتاب کے بارے میں لکھا تھا کہ:

"مشتہری نے انھیں اقبال شناس بنا دیا۔ اس لیے کہ وہ بڑے افسر ہیں یا تھے۔ محب وطن اقبال ایک کتابچہ اور وہ بھی طفلانہ نقطۂ نظر کا ترجمان۔"(۱۵)

اگر ان دلائل کی روشنی میں برنی صاحب کی اقبال شناسی کا جائزہ لیا جائے تو علمی سطح پر غیر محققانہ استدلال اور سیاسی مقاصد کے تحت پروپیگنڈہ مزاج کے حامل یہ نظریات مایوس کن ہیں۔ آپ نے مسلمہ حقائق کو نظر انداز کر کے غیر مصدقہ روایات کو اپنی اقبال شناسی میں استعمال کی بنیاد بنایا ہے یہ انداز نہایت کمزور ہے۔ انخیالات سے محض وہ لوگ ہی متاثر ہو سکتے ہیں جو یک طرفہ سوچ رکھتے ہوں۔ آپ نے حقائق سے دور رہ کر فکرِ اقبال کی غیر واضح، نامکمل اور بہتان انگیز توسیع پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

آپ نے اس وقت تو اپنا یہ وار چلایا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے سامنے اصلحقائق آتے رہے اور آپ کے نظریات کی افادیت روز بروز کم سے کم تر ہوتی گئی۔ آج یہ خیالات "محبِ وطن اقبال" کی شکل میں موجود ضرور ہیں مگر حقیقت سے دور ہیں۔ برنی صاحب کے یہ خیالات جو آپ کے خطبہ کا حصہ ہیں، ان ہی کی بدولت اقبال کی قیام گاہ "شیش محل بھوپال" میں اقبال انسٹی ٹیوٹ قائم کیا تھا۔ خود آپ نے لکھا ہے کہ:

"میرے دوست اس خوش فہمی میں ہیں کہ غالباً اس اہم ادارے کا قیام میرے خطبہ کا نتیجہ ہے۔ بہر حال مجھے بے حد مسرت ہے اور ناز بھی کہ اس نسبت سے مجھے بھی اس ادارے سے وابستگی کا شرف حاصل ہوا۔"(۱۶)

بھارتی حکومت نے کسی تخصیص کے بغیر ہندوستان میں اقبال کے حوالہ سے ہونے والی ہر تقریب یا ادارہ کی معاونت فرمائی اور حکومت سے منسلک سرکاری مسلم افسران نے بھی اس حکومتی تعاون کا شکریہ ادا کرنے میں کبھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مدھیہ پردیش کی حکومت نے اپنے اس وقت کے وزیر اعلیٰ شری ارجن سنگھ کی قیادت میں ایسے متعدد اقدامات کیے تھے جن کا مقصد بھوپال سے اقبال کے تعلقات کیا دگار قائم کرنا تھا۔ اقبال کے تمام پرستار خصوصاً اور اردو ادب

دوست عموماً حکومتِ مدھیہ پردیش کے ہمیشہ ممنون رہیں گے کہ اس نے اقبال انسٹی ٹیوٹ قائم کر دیا۔

یہ ادارہ اقبالیات پر تحقیق کرنے والوں کے لیے ایک اہم اور ممتاز مرکز بن گیا ہے اور نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی سطح کی شہرت بھی پا چکا ہے۔ آپ نے اپنے مضمون کو پیش کرنے کے لیے بھوپال کا انتخاب خاص طور پر کیا تھا کیونکہ اقبال کو بھی بھوپال سے خصوصی نسبت تھی۔ اقبال کی مشہور فارسی مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" کا خاکہ بھی بھوپال کے زمانہ قیام میں سوچا گیا تھا۔ اگرچہ یہ ستمبر ۱۹۳۶ء میں یعنی بھوپال سے ان کی واپسی سے دو ماہ بعد مکمل ہوئی تھی۔ اقبال کی حیات اور شاعری کا کوئی تذکرہ بھوپال کا حوالہ دیے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ شہر اقبال کی زندگی میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ زندگی کے آخری دکھ بھرے دنوں میں بھوپال ہی نے انھیں وہ سکون عطا کیا تھا جو ورڈز ورتھ کے الفاظ میں شعر کہنے کے لیے بنیادی شرط ہے۔ جب آپ نے بھوپال میں اپنا مضمون جسے خطبہ بھوپال کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، پڑھا تو اس تقریب میں ممنون حسن خاں بھی موجود تھے جنہیں اقبال کا سیکرٹری بننے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔

برنی صاحب کے نظریات اور خیالات کو قدر کی نگاہ سے بھی دیکھا گیا اس کی صورت یہ ہے کہ بہت سے ماہرینِ علم و دانش نے اپنی رائے کا اظہار کیا جو اخبارات اور رسائل کی زینت بھی بنا۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے برنی صاحب کی کاوش کے حوالہ سے اپنی رائے کا اظہار کیا جو ۱۵، جنوری ۱۹۸۵ء کو نئی دہلی سے شائع ہونے والے ایک ہفت روزہ "ہماری زبان" میں شائع ہوا۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے تبصرے میں برنی صاحب کی اقبال شناسی کا حوالہ دیا اور ان کی کاوشوں کو سراہا۔ یہ ڈاکٹر خلیق انجم ہی تھے کہ جو آپ کے اس وقت معاون بنے تھے کہ جب آپ نے "بہار" میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی کاوش کی تھی۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے تبصرہ میں دراصل اس خیال کی حمایت کی ہے کہ جس کا اظہار آپ نے اپنے خطبہ بھوپال میں کیا تھا اور اس تصنیف کو اقبالیات میں اہم ترین اضافہ قرار دے کر ہریانہ ساہتیہ اکیڈمی کا بھی شکریہ ادا کیا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی آپ کے وسیع مطالعے کی عادت سے بہت متاثر ہوئے۔ برنی صاحب کے بارے میں آپ نے کہا کہ:

> "آپ کے وسیع مطالعہ اور اظہارِ خیال کی قدرت سے مسرت بھی ہوئی اور حیرت بھی کہ ان مصروفیتوں کے ساتھ آپ مطالعہ اور تصنیف کے لیے کیسے وقت نکال لیتے ہیں۔ دعا ہے کہ اقبال کی شاعری اور پیغام کے دوسرے پہلوؤں پر بھی آپ کو توجہ فرمانے کا وقت ملے جو ان کے کلام کی اصل روح اور قدر و قیمت ہے۔"(۱۷)

پیشہ ورانہ مصروفیات اور اہم ترین ذمہ داریاں اس طرح الجھا دیتی ہیں کہ اپنی دل چسپیوں کے لیے بھی وقت نہیں ملتا۔ برنی صاحب کی فکرِ اقبال سے دل چسپی ان کے خلوص کو ظاہر کرتی ہے اور شمس الرحمٰن فاروقی نے آپ کی اقبال شناسی کے حوالہ سے کہا تھا کہ:

"آپ کا استدلال اور مواد کی تنظیم بہت عمدہ اور موثر ہے"(۱۸)

برنی صاحب کی اقبال شناسی کے حق میں یہ دلیل، آپ کو اقبال شناس ثابت کرنے کے لیے نہایت موزوں ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کا شمار اعلیٰ ترین نقادوں میں ہوتا تھا اور آپ کی رائے کو کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

برنی صاحب کی کاوشوں سے ہندوستان میں فکرِ اقبال سے آگہی کا شوق ضرور پروان چڑھا اور اقبالیات کے حوالہ سے کام کرنے والے ماہرین اور اقبال شناس متحرک بھی ہوئے۔ خاص طور پر ہندوستان کے افسران جو اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور حکومتی ارکان تک اقبالیات کے موضوعات پر بحث عام ہوئی۔ برنی صاحب اگر اقبال کے خطبات "تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ" کا مطالعہ کرتے اور اپنی اقبال شناسی میں اس کے حوالہ جات بھی شامل کرتے تو حب الوطنی کے آفاقی تصور سے بھی آگاہ ہو جاتے اور حب الوطنی کے اسلامی تصور سے بھی اپنی اقبال شناسی کو مضبوط، محفوظ اور قابلِ عمل بنا سکتے تھے۔ فکرِ اقبال دراصل فکرِ اسلام کا ہی جزو ہے۔ اس کے باوجود اقبالیات سے شغف رکھنے والے برنی صاحب کی تقلید میں آگے بڑھے اور اقبالیات سے دل چسپی کا رجحان پیدا ہوا۔ اس سے ہندوستان میں اقبال شناسی کی روایت کو بھی فائدہ ہوا، فکرِ اقبال کو پروان چڑھانے کے لیے موزوں ماحول میسر آیا اور اقبال سے منسوب نظریات و خیالات کی تصدیق، تحقیق اور تنقید کے راستے کھلے۔ اور بھی بہت سے ماہرین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا جو برنی صاحب کے اقبال شناس ہونے کا ثبوت ہیں۔ برنی صاحب نے جن خیالات کا اظہار کیا وہ اقبالیات کے لیے ناگزیر تو نہیں مگر اضافہ ضرور ہے۔

مضمون کا مطالعہ اس بات کے لیے راہیں کشادہ کرتا ہے کہ اقبال نے ہندوستانی فکر و فلسفہ کے پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے اور ان سے استفادہ کیا ہے مگر یہ کہیں بھی نظر نہیں آتا کہ اقبال کے ذہن پر، اقبال کی سوچ پر صرف ہندی فکر و فلسفہ کا اثر ہی نمایاں ہے۔ اقبال کے مطالعہ میں مشرق و مغرب کے مفکرین کے ساتھ ساتھ اور بھی ادبیات رہے ہیں جن کے مثبت پہلو بہر حال اقبال کے فکر سے نمایاں طور پر عیاں ہیں۔ برنی صاحب نے صرف ایک ہی پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ ان کی ضرورت بھی تھی اور ان کے نزدیک وقت کا تقاضا بھی۔ اس پہلو کا اثر ہر دونوں جانب سے یعنی مثبت اور منفی اثرات اور نتائج کی صورت میں تحقیق و تصدیق کے لیے راہیں کھولتا ہے۔ اقبالیات کے طلباء اس مضمون کے مطالعہ سے اپنی تحقیقی گوشوں کو وسعت عطا کر سکتے ہیں اور تحقیق کے نئے زاویے اخذ کر سکتے ہیں۔ اس مضمون کے مطالعہ سے بہت سے نئے ماخذ سامنے آتے ہیں جو تحقیق و تنقید کی تصدیق میں معاون ثابت ہوں گے۔ برنی صاحب کی اقبال شناسی پاک و ہند کے ادبیات تک محدود نہیں رہنی چاہیے بلکہ اقبال کے آفاقی فکر کا جائزہ لینے کے لیے ان کوششوں کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ حب الوطنی کے تصور کو فکرِ اسلامی کا مطالعہ کیے بغیر فروغ نہیں دیا جا سکتا۔ فکرِ اقبال کی اسلامی راہوں کی توسیع کے لیے ہمیں مثبت کردار ادا کرنا ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، ضربِ کلیم، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت ششم، ۲۰۰۴ء، ص:۱۵۸۔۶۵۸

۲۔ عبد الحق، پروفیسر، اقبال اور اقبالیات، سرینگر: میزان پبلشرز، بٹہ مالو، اشاعت دوم ۲۰۰۹ء، ص:۱۱۴

۳۔ مظفر حسین برنی، سید، محبِ وطن اقبال، ہریانہ: اردو اکادمی ۹۸۳، سیکٹر ۹، پنچکولہ، اشاعت ۱۹۹۹ء، ص:۲۲

۴۔ مظفر حسین برنی، سید، محبِ وطن اقبال،، ص:۴۰

۵۔ مظفر حسین برنی، سید، محبِ وطن اقبال،، ص:۵۷

۶۔ اقبال، بکھرے خیالات، مرتبہ، ڈاکٹر جاوید اقبال، مترجم: پروفیسر عبد الحق، نئی دہلی: اصیلا آفیسٹ پرنٹرس، دریا گنج، مارچ ۲۰۱۵ء، ص:۶۰

۷۔ مظفر حسین برنی، سید، محبِ وطن اقبال، ص:۸۷

۸۔ مظفر حسین برنی، سید، محبِ وطن اقبال،، ص:۱۰۵

۹۔ عبد الحق، پروفیسر، اقبال۔ شاعرِ رنگیں نوا، نئی دہلی: اصیلا آفیسٹ پرنٹرس، دریا گنج، ۲۰۰۹ء، ص:۱۰۰

۱۰۔ مظفر حسین برنی، سید، محبِ وطن اقبال، ص:۹۹

۱۱۔ اقبال، کلیاتِ اقبال اردو، بالِ جبریل، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت ششم، ۲۰۰۴ء، ص:۲۰۔۳۴۴

۱۲۔ عبد الستّار دولوی، اقبال کا ایک ممدوح: بھرتری ہری، ممبئی: دائرۃ الادب، باندرہ، ۲۰۰۴ء، ص:۴۵

۱۳۔ اقبال، اقبال نامہ۔ طبع نو تصحیح و ترمیم شدہ یک جلدی، مرتبہ، شیخ عطا اللہ، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۵ء، ص:۶۶۵

۱۴۔ وحید عشرت، ڈاکٹر، تبصرہ نگار، مشمولہ، اقبالیات، مدیر، پروفیسر محمد منور، شمارہ ۴، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، جنوری۔ مارچ ۱۹۸۸ء، ص:۴۴۳

۱۵۔ عبد الحق، پروفیسر، مکتوب بنام مضمون نگار، یکم فروری ۲۰۰۸ء

۱۶۔ مظفر حسین برنی، سید، محبِ وطن اقبال، ص:۱۵

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۵۶

۱۸۔ ایضاً، ص:۱۵۶